

(حالاتِ زندگی)

آپ کا اصل نام سید احمد خان تھا۔ وہ ۱۸۱۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے بزرگ شاہ جہاں کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ان کے والد سید محمد تقی ایک درویش صفت انسان تھے۔ سر سید کی والدہ دین دار اور باشعور خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنے بیٹے کی بہت اچھی تربیت کی۔ ان کو اپنے والد کے تعلق کی بناء پر مرزا غالب کی قربت حاصل تھی اس طرح انھیں اپنے دور کے اہل علم حضرات سے علم حاصل کرنے کا موقع بھی ملا۔

سر سید نے ۱۸۳۸ء میں سرکاری ملازمت اختیار کی اور مختلف عہدوں پر خدمات سرانجام دیتے ہوئے ”سب جج“ کے منصب تک جا پہنچے۔ ۱۸۷۷ء میں انھوں نے علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی۔ بعد میں یہی کالج ترقی کر کے یونیورسٹی میں تبدیل ہوا جو آج تک قائم ہے۔ اس کالج کے طلبہ نے آزادی اور ملکی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی دیگر خدمات میں رسالہ ”تہذیب الاخلاق“ کا اجراء بھی ہے، جس میں مذہبی، قومی، اخلاقی اور سیاسی موضوعات پر مفید مضامین شائع ہوتے تھے۔

سر سید ایک ہمدرد دل لے کر پیدا ہوئے تھے۔ وہ نہ صرف مصلح قوم، عالم دین اور سیاسی رہنما تھے بلکہ اردو ادب کے محسن بھی تھے۔ انھوں نے دبستانِ سر سید کی بنیاد ڈالی۔ جس میں حالی، شبلی، نذیر احمد، محمد حسین آزاد، نواب محسن الملک اور وقار الملک جیسے عالم و فاضل شامل تھے۔ ان کی تحریروں میں سادگی، روانی اور بے ساختہ پن پایا جاتا ہے۔ وہ بات کو اُلجھا کر بیان نہیں کرتے بلکہ سیدھے سادھے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ جس طرح عام لوگ گفتگو کرتے ہیں وہ اس طرح لکھتے جاتے ہیں۔ اُن کے بعض فقرے بے حد طویل اور بعض بالکل مختصر ہوتے ہیں۔ مگر ان میں سادگی کے ساتھ ادبی حسن بھی پایا جاتا ہے۔ ”آثار الصنادید“، رسالہ ”اسبابِ بغاوتِ ہند“، جامِ جم، کلمۃ الحق اور خطباتِ احمدیہ، ان کی اہم تصانیف ہیں۔ برطانوی حکومت نے انھیں ان کی علمی، ادبی اور سماجی خدمات کے صلے میں ”سر“ کا خطاب عطا کیا۔ اُن کا انتقال ۱۸۹۸ء میں علی گڑھ میں ہوا۔

گزر راہو ازمانہ

(سر سید احمد خان)

مقتصد و تدبیر

- طلبہ کو فنِ نثر نگاری سے متعارف کرانا۔
- اُردو ادب میں نثر نگاری کی روایت بتانا۔
- اُردو زبان کے لیے سر سید احمد خان کی خدمات سے طلبہ کو آگاہی دینا۔
- سر سید احمد خان کے اسلوبِ نثر سے متعارف کروانا۔

سڈول ڈیل

کج خلقی

ٹٹول ٹٹول کر

ریلی آنکھیں

ڈراؤنی رات

سعی

بے مروتی

جو بن

اُدھیر پن

اکیلا پن



برس کی آخر رات کو ایک بڑھا اپنے اندھیرے گھر میں اکیلا بیٹھا ہے۔ رات بھی ڈراؤنی اور اندھیری ہے۔ گھٹنا چھار ہی ہے۔ بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے، آندھی بڑے زور سے چلتی ہے دل کانپتا ہے اور دم گھبراتا ہے۔ بڑھا نہایت غمگین ہے، مگر اُس کا غم نہ اندھیرے گھر پر ہے، نہ اکیلے پن پر، نہ اندھیری رات اور بجلی کی کڑک پر اور نہ آندھی کی گونج پر اور نہ برس کی آخر رات پر۔ وہ اپنے پچھلے زمانے کو یاد کرتا ہے اور جتنا زیادہ یاد آتا ہے اتنا ہی غم بڑھتا ہے۔ ہاتھوں سے ڈھکے ہوئے منہ پر آنکھوں سے آنسو بھی بہہ چلے جاتے ہیں۔

پچھلا زمانہ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ اپنا لڑکپن اُس کو یاد آتا ہے، جب کہ اس کو کسی چیز کا غم اور کسی بات کی فکر دل میں نہ تھی۔ روپیہ اشرفی کے بدلے، ریوڑی اور مٹھائی اچھی لگتی تھی۔ سارا گھر ماں باپ، بھائی بہن اس کو پیار کرتے تھے۔ پڑھنے کے لیے چھٹی کا وقت جلد آنے کی خوشی میں کتابیں بغل میں لے مکتب میں چلا جاتا تھا۔ مکتب کا خیال آتے ہی اس کو اپنے ہم مکتب یاد آتے تھے۔ وہ اور زیادہ غمگین ہوتا تھا اور بے اختیار چلا اٹھتا تھا ”ہائے وقت، ہائے وقت! گزرے ہوئے زمانے! افسوس کہ میں نے تجھے بہت دیر میں یاد کیا۔“

پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا۔ اپنا سرخ سفید چہرہ، سڈول ڈیل، بھرا بھرا بدن، ریلی آنکھیں موتی کی لڑی سے دانت، امنگ میں بھرا ہوا دل، جذبات انسانی کے جوشوں کی خوشی اسے یاد آتی تھی۔ اس آنکھوں میں اندھیرا چھائے ہوئے زمانے میں ماں باپ جو نصیحت کرتے تھے اور نیکی کی بات بتاتے تھے اور یہ کہتا تھا کہ ”آہ ابھی بہت وقت ہے“ اور بڑھاپے کے آنے کا کبھی خیال بھی نہ کرتا تھا۔ اس کو یاد آتا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ کیا اچھا ہوتا اگر جب ہی میں اس وقت کا خیال کرتا اور نیکی سے اپنے دل کو سنوارتا اور موت کے لیے تیار رہتا۔

آہ وقت گزر گیا! آہ وقت گزر گیا! اب پچھتائے کیا ہوتا ہے۔ افسوس میں نے آپ اپنے تئیں ہمیشہ یہ کہہ کر برباد کیا کہ ”ابھی وقت بہت ہے۔“

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کھولی، دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراؤنی ہے، اندھیری گھٹا چھا رہی ہے، بجلی کی کڑک سے دل پھٹا جاتا ہے، ہولناک آندھی چل رہی ہے، درختوں کے پتے اڑتے ہیں اور ٹہنیاں ٹوٹتی ہیں، تب وہ چلا کر بولا ”ہائے ہائے میری گزری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراؤنی ہے جیسی یہ رات۔“ یہ کہہ کر پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

اتنے میں اس کو اپنے ماں باپ، بھائی بہن، دوست آشنا یاد آئے جن کی ہڈیاں قبروں میں گل کر خاک ہو چکی تھیں۔ ماں گویا محبت سے اس کو چھاتی سے لگائے آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہے۔ یہ کہتی ہوئی کہ ہائے بیٹا! وقت گزر گیا۔ باپ کا نورانی چہرہ اس کے سامنے ہے اور اس میں یہ آواز آتی ہے کہ کیوں بیٹا! ہم تمہارے ہی بھلے کے لیے نہ کہتے تھے؟ بھائی بہن دانتوں میں انگلی دیئے ہوئے خاموش ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہے۔ دوست آشنا سب غمگین کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں؟

ایسی حالت میں اس کو اپنی وہ باتیں یاد آتی ہیں جو اس نے نہایت بے پروائی اور بے مروتی اور کج خلقی سے اپنے ماں باپ، بھائی بہن، دوست آشنا کے ساتھ برتی تھیں۔ ماں کو رنجیدہ رکھنا، باپ کو ناراض کرنا، بھائی بہن سے بے مروت رہنا، دوست آشنا کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا یاد آتا تھا اور اس پر ان گلی ہڈیوں میں سے ایسی محبت کا دیکھنا اس کے دل کو پاش پاش کرتا تھا۔ اس کا دم چھاتی میں گھٹ جاتا تھا اور یہ کہہ کر چلا اٹھتا تھا کہ ”ہائے وقت نکل گیا، ہائے وقت نکل گیا، اب کیوں کر اس کا بدلہ ہو“

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا اور ٹکراتا لڑکھاتا کھڑکی تک پہنچا۔ اس کو کھولا اور دیکھا کہ ہوا کچھ ٹھہری ہے اور بجلی کی کڑک کچھ تھمی ہے۔ پر رات ویسی ہی اندھیری ہے۔ اس کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔ اتنے میں اس کو اپنا ادھیڑ پنا یاد آیا جس میں نہ وہ جوانی رہی تھی اور نہ وہ جوانی کا جو بن، نہ وہ دل رہا تھا اور نہ دل کے ولولوں کا جوش۔ اس نے اپنی اس نیکی کے زمانے کو یاد کیا جس میں وہ بہ نسبت بدی کے نیکی کی طرف زیادہ مائل تھا۔ وہ اپنا روزہ رکھنا، نمازیں پڑھنا، حج کرنا، زکوٰۃ دینی، بھوکوں کو کھانا، مسجدیں اور کنوئیں بنوانا یاد کر کے اپنے دل کو تسلی دیتا تھا۔ فقیروں اور درویشوں کو جن کی خدمت کی تھی، اپنے پیروں کو جن سے بیعت کی تھی اپنی مدد کو پکارتا تھا، مگر دل کی بے قراری نہیں جاتی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ اس کے ذاتی اعمال کا اسی تک خاتمہ ہے۔ بھوکے پھر ویسے ہی بھوکے ہیں،

مسجد میں ٹوٹ کر یا تو کھنڈر ہیں اور یا پھر ویسے ہی جنگل ہیں۔ کنوئیں اندھے پڑے ہیں۔ نہ پیر اور نہ فقیر، کوئی اس کی آواز نہیں سنتا اور نہ مدد کرتا ہے۔ اس کا دل پھر گھبراتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں نے کیا کیا جو تمام فانی چیزوں پر دل لگایا۔ یہ پچھلی سمجھ پہلے ہی کیوں نہ سوجھی، اب کچھ بس نہیں چلتا اور پھر یہ کہہ کر چلا اٹھا ”ہائے وقت، ہائے وقت! میں نے تجھ کو کیوں کھو دیا؟“

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اس کے پٹ کھولے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے، آندھی تھم گئی ہے، گھٹا کھل گئی ہے، تارے نکل آئے ہیں، ان کی چمک سے اندھیرا بھی کچھ کم ہو گیا ہے۔ وہ دل بہلانے کے لیے تاروں بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکا یک اس کو آسمان کے بیچ میں ایک روشنی دکھائی دی اور اس میں ایک خوبصورت دلہن نظر آئی۔ اس نے ٹٹکی باندھ کر اسے دیکھنا شروع کیا۔ جوں جوں وہ اسے دیکھتا تھا وہ قریب ہوتی جاتی تھی، یہاں تک کہ وہ اس کے بہت پاس آ گئی۔ وہ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور نہایت پاک دل اور محبت کے لہجے میں اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ وہ بولی کہ میں ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی ہوں۔ اس نے پوچھا کہ تمہاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے؟ وہ بولی ہاں ہے، نہایت آسان پر بہت مشکل۔ جو کوئی اللہ کے فرض کو اس بدوی کی طرح جس نے کہا کہ ”وَاللّٰہُ لَا اَزِیْدُ عَلٰی ہٰذَا وَلَا اَنْقُصُ“ ادا کر کے انسان کی بھلائی اور اس کی بہتری میں سعی کرے اس کی میں مسخر ہوتی ہوں۔ دنیا میں کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے، انسان ہی ایسی چیز ہے جو آخر تک رہے گا۔ پس جو بھلائی انسان کی بہتری کے لیے کی جاتی ہے وہی نسل در نسل آخر تک چلی آتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اسی تک ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی موت ان سب چیزوں کو ختم کر دیتی ہے۔ مادی چیزیں بھی چند روز میں فنا ہو جاتی ہیں، مگر انسان کی بھلائی آخر تک جاری رہتی ہے۔ میں تمام انسانوں کی روح ہوں، جو مجھ کو تسخیر کرنا چاہے انسان کی بھلائی میں کوشش کرے، کم سے کم اپنی قوم کی بھلائی میں دل و جان و مال سے ساعی ہو۔ یہ کہہ کر وہ دلہن غائب ہو گئی اور بڑھا پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

اب پھر اس نے اپنا پچھلا زمانہ یاد کیا اور دیکھا کہ اس نے اپنی پچپن برس کی عمر میں کوئی کام بھی انسان کی بھلائی اور کم سے کم اپنی، قومی بھلائی کا نہیں کیا تھا۔ اس کے تمام کام ذاتی اغراض پر مبنی تھے۔ نیک کام جو کیے تھے ثواب کے لالچ اور گویا اللہ کو رشوت دینے کی نظر سے کیے تھے۔ خاص قومی بھلائی کی خالص نیت سے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

اپنا حال سوچ کر وہ اس دلفریب دلہن کے ملنے سے مایوس ہوا۔ اپنا آخر زمانہ دیکھ کر آئندہ کرنے کی بھی کچھ امید نہ پائی، تب وہ نہایت مایوسی کی حالت میں بے قرار ہو کر چلا اٹھا ”ہائے وقت، ہائے وقت، کیا پھر تجھے میں بلا سکتا ہوں؟“

☆ ترجمہ: اللہ کی قسم میں اس پر نہ اضافہ کروں گا اور نہ اس میں کمی کروں گا۔

ہائے میں دس ہزار دینار دیتا اگر وقت پھر آتا اور میں جوان ہو سکتا۔“ یہ کہہ کر اس نے ایک آہ سرد بھری اور بے ہوش ہو گیا۔
تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اس کے کانوں میں میٹھی میٹھی باتوں کی آواز آنے لگی۔ اس کی پیاری ماں اس کے پاس آکھڑی ہوئی، اس کو گلے لگا کر پیار کیا۔ اس کا باپ اس کو دکھائی دیا۔ چھوٹے چھوٹے بھائی بہن اس کے گرد آکھڑے ہوئے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا کیوں برس کے برس دن روتا ہے؟ کیوں تو بے قرار ہے؟ کس لیے تیری بچی بندھ گئی ہے؟ اٹھ منہ ہاتھ دھو، کپڑے پہن، نوروز کی خوشی منا، تیرے بھائی بہن تیرے منتظر کھڑے ہیں۔ تب وہ لڑکا جاگا اور سمجھا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں بڑھا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنا سارا خواب اپنی ماں سے کہا۔ اس نے سن کر اس کو جواب دیا کہ بیٹا بس تو ایسا مت کر جیسا اس پشیمان بڑھے نے کیا، بلکہ ایسا کر جیسا تیری دلہن نے تجھ سے کہا۔

یہ سن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے کود پڑا اور نہایت خوشی سے پکارا کہ، او یہی میری زندگی کا پہلا دن ہے، میں کبھی اس بڑھے کی طرح نہ پچھتاؤں گا اور ضرور اس دلہن کو بیاہوں گا جس نے ایسا خوبصورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا۔ اواللہ، اواللہ، تو میری مدد کر، آمین!“

پس اے میرے پیارے نوجوان ہم وطنو، اور اے میری قوم کے بچو! اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو، تاکہ آخر وقت میں اس بڑھے کی طرح نہ پچھتاؤ، ہمارا زمانہ تو آخر ہے، اب اللہ سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان اٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے۔ آمین!

(مضامین سرسید مرتبہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار)



(۱) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

- الف) جب بڑھے کو پچھلا زمانہ یاد آتا تھا تو وہ کیسا محسوس کرتا تھا؟
- ب) بڑھے نے اپنی زندگی کو ایک ڈراؤنی رات سے کیوں تشبیہ دی؟
- ج) بڑھے کو جوانی میں ماں باپ کس قسم کی نصیحت کرتے تھے؟
- د) مصنف سبق کے آخر میں کیا رائے قائم کرتا ہے؟
- ه) نثر پارہ ”گزر اہوا زمانہ“ سے آپ کیا سبق حاصل کرتے ہیں؟

(۲) متن کی روشنی میں درست جواب کا انتخاب کریں۔

(الف) بڈھے کی غمگین ہونے کی وجہ ہے۔

- (i) اکیلا پن
(ii) اندھیری رات
(iii) بجلی کی کڑک
(iv) ان میں سے کوئی بھی نہیں۔
- (ب) ”گزر راہوا زمانہ“ تصنیف ہے۔

- (i) ڈاکٹر عبادت بریلوی
(ii) سر سید احمد خان
(iii) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
(iv) ڈاکٹر سید عبداللہ
- (ج) جب بڈھا دل بہلانے کے لیے تاروں بھری رات دیکھ رہا تھا تو یکا یک اس کو دکھائی دی۔

- (i) روشنی
(ii) تارے
(iii) چاند
(iv) ان میں سے کوئی بھی نہیں
- (د) بڈھے کی عمر ہے۔

- (i) ترپن برس
(ii) پچپن برس
(iii) ستاون برس
(iv) اُنسٹھ برس
- (د) انسان کے آخر دم تک رہنے والا عمل اُس کی!

- (i) عبادت ہے
(ii) ہمدردی ہے
(iii) بھلائی ہے
(iv) نیکی ہے

(۳) متن کے مطابق درست کی نشاندہی علامت (✓) سے اور غلط کی علامت (X) سے کریں۔

(الف) بڈھا بڑھا پے میں لڑکپن کے مقابلے میں ہر قسم کی پریشانیوں سے آزاد ہوتا تھا۔

(ب) بڈھا اپنے کمرے میں بیوی بچوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔

(ج) بڈھے نے تمام نیک کام ثواب کی لالچ میں کیے۔

(د) اُس کے تمام کام ذاتی اغراض پر مبنی تھے۔

(و) لڑکا دراصل خواب دیکھ رہا تھا۔

(۴) متن کے مطابق کالم (الف) کا مقابلہ کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے کر کے جواب کالم (ج) میں لکھیں۔

(الف)	(ب)	(ج)
بجلی	چلنا	
دل	چھانا	
دم	کڑکنا	
گھٹنا	جلنا	
آندھی	کانپنا	
	گھٹنا	

(۵) سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

(۷) درج ذیل پیرا گراف کی سیاق و سباق کے حوالے سے تشریح کریں۔

اتنے میں اُس کو اپنے ماں باپ اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔

(۸) اگر آپ بڑھے کی جگہ ہوتے تو کیا سوچتے؟

(۹) بڑھے کے بچپن اور بڑھاپے کا موازنہ کریں۔

(۱۰) درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معانی لکھ کر جملوں میں استعمال کریں۔

ڈراؤنی رات۔ کج خلقی۔ اُدھیڑپن۔ گھٹا۔ بے مروتی

سرگرمیاں

- (۱) اساتذہ کرام کمرہ جماعت میں طلبہ کو مختلف موضوعات پر کہانیاں، مکالمے سنا کر اُن سے ان کی جزئیات کو ترتیب سے یاد رکھنے کا کہہ کر بعد ازاں اُن سے لکھوائیں۔
- (۲) کوئی بھی کہانی/مضمون/مکالمہ درمیان سے شروع کر کے طلبہ سے اس کے سیاق و سباق کو سمجھا کر لکھوائیں۔
- (۳) اساتذہ کرام کمرہ جماعت میں سرسید احمد خان کے چند دیگر مضامین بھی طلبہ کو سنائیں۔

اشارات سبق

- (۱) اساتذہ کرام طلبہ کو فنِ نثر نگاری کے مختلف لوازمات پر سیر حاصل لیکچر دیں۔
- (۲) اردو زبان و ادب میں سرسید احمد خان کے مقام پر بحث کریں۔
- (۳) طلبہ کو سرسید احمد خان کی نثری خصوصیات کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں بتائیں۔